

## حکمرانوں کے اختیارات، تصور احتساب اور اسلامی تعلیمات

### Authority of Rulers, Their Accountability and Islamic Teachings

\* فیاض احمد فاروق

\*\* ڈاکٹر محمد ادریس لودھی

#### Abstract

Rule of Law is one of the fundamental principles of good governance which is aimed for achieving excellence in Ruler-Public relations with the overall purpose of having a peaceful and prosperous state. This rule inter alia include a just use of authority (within its limits), without any favour or fear or transgression. The rulers of Islamic Republic of Pakistan have an added responsibility of being answerable before God besides people. They therefore were supposed to be more conscious than others in this regard and were supposed to create an environment of equality, harmony and overall justice via introduction of an impartial system of accountability for all and by not transgressing the limits of their authority/position. It is very unfortunate to say that this has not happened so far. The present article discusses the subject in the light of Islamic teachings.

**Keywords:** Pakistan, Use of Authority by Rulers, Islamic teachings for Rulers.

دنیا بھر کے ترقی یافتہ ممالک میں کاروبار، تجارت اور سیاست ایک دوسرے سے الگ سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن بد قسمتی سے پاکستان میں کاروباری افراد نے نہ صرف سیاست میں شمولیت اختیار کی بلکہ حکومتی اثر و رسوخ کے ذریعے اپنے کاروبار میں اضافہ کیا۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے جہاں تک ہو سکا اختیارات کا بے جا استعمال اور اختیارات سے تجاوز کیا، یہی وجہ ہے کہ ان کاروباری سیاستدانوں نے معاشی اور صنعتی میدانوں میں ترقی کی۔ اس ترقی کے بعد ایسے سیاستدانوں نے پاکستانی سیاست کو اپنا حق سمجھ کر استعمال کرنا شروع کر دیا اور نظم حکومت میں تمام حکومتی راستے استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ منفعت کے حصول کو ممکن بنادیا۔

قیام پاکستان سے لے کر آج تک سیاست اور کاروبار کا چولی دامن کا یہ ساتھ اب تک لازم و ملزوم بنا ہوا ہے۔ چونکہ کاروبار کا مفاد سیاست سے ہے اور سیاست کا مفاد کاروبار سے وابستہ ہے اس لیے سیاستدانوں اور کاروباری افراد نے ذاتی مفاد کے لیے دونوں میدانوں میں قدم بھرا رکھے ہیں۔ اور دونوں طبقات مل کر مفاد پرستی کا نظام چلانے میں ایک دوسرے کے مددگار بنے ہوئے ہیں۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستانی سیاست میں کاروباری افراد کی آمد کا آغاز تو قیام پاکستان کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا جس کی بہت سی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ مقبول ارشد اپنی کتاب "پاکستان کے ارب پتی خاندان" میں رقم طراز ہیں:

”یوسف ہارون سندھ کے پہلے وزیر اعلیٰ تھے جو صنعتی یونٹوں کے مالک تھے۔ اسی طرح بہت سے اور کاروباری افراد احمد داؤد، ناصر اے شیخ، اے کے سومرو، احمد قادر اور رفیق سہگل قیام پاکستان کے بعد تعلقات اور سیاسی فیصلوں کی بناء پر اعلیٰ حکومتی عہدوں پر فائز رہے اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے پہلی بار بہت

\* پی ایچ ڈی ریسرچ کالر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان۔

\*\* پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان۔

زیادہ تعداد میں کاروباری افراد کو سیاست سے وابستہ کیا اور سیاست دانوں کو کھل کر کاروبار کرنے کے بھی مواقع فراہم کئے۔<sup>1</sup>

جنرل ضیاء الحق کے بعد جب جمہوری ادوار کا آغاز ہوا تب بھی ایسے ہی افراد نے نہ صرف سیاست میں شمولیت اختیار کی بلکہ نظم حکومت میں کلیدی عہدوں کے لیے بھی کوششیں شروع کر دیں اور بعض اوقات کلیدی عہدوں پر فائز بھی رہے۔ چنانچہ ایسے بہت سے سیاست دان جو کاروبار اور تجارت سے بھی وابستہ تھے، وہ غلط طریقے سے اختیارات اور اعلیٰ عہدے حاصل کرتے اور پھر ان اختیارات کا غلط استعمال (انفرادی مفاد کا حصول اور ملکی مفاد کا نقصان) بھی کرتے رہے، اسی لیے پاکستانی سیاست میں اہلیت اور کام کرنے کی استطاعت کو سامنے نہیں رکھا جاتا۔ جہاں تک استطاعت کا تعلق ہے تو استطاعت کسی کام کرنے کی طاقت اور اختیار کا نام ہے، جس کے پاس کام کرنے کی جتنی استعداد ہے اسی بنیاد پر اسے اختیارات اور ذمہ داری دی جاتی ہے، چنانچہ اختیارات کی تکمیل میں اس کی یہ ذمہ داری دوسروں کی نسبت زیادہ ہے کیونکہ اس ذمہ داری کی اصل وجہ تو استطاعت ہی ہے۔ اس لیے ہر انسان کو اختیار اور ذمہ داری بھی اس کی استطاعت کے مطابق دی جاتی ہے تاکہ وہ اپنی طاقت کے مطابق ذمہ داری کو پورا کرے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ**<sup>2</sup> ”جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو“۔

گویا اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حاکم کو جو اختیار و طاقت دی ہے اس کا استعمال کرتے ہوئے بھی وہ اللہ سے ڈرتا رہے اور اپنے ان اختیارات سے تجاوز نہ کرے، اگر ان اختیارات سے تجاوز کرے گا تو پھر اس کے لیے اس کو جوابدہ بھی ہونا پڑے گا۔ چنانچہ اختیارات کو سرانجام دینے کے لیے سچائی اور راست بازی کا ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ سچائی کا تعلق ہمارے کام کرنے کی نوعیت و صلاحیت پر ہوتا ہے اور یہ بات ضروری تصور کی جاتی ہے کہ ہم اپنے اختیارات کے استعمال میں کس حد تک درست جا رہے ہیں کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے رعایا کے حقوق سلب کرنے لگے ہیں یا ریاستی نظام کو نقصان پہنچا رہے ہیں کیونکہ عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہم سچائی کو اختیار کرتے رہیں اور جھوٹ اور لاپرواہی سے خود کو باز رکھیں۔ ہر بات میں سچ بولنے اور ہر اقدام میں عدل و انصاف کا دامن تھامے رہنے سے تمام حالات درست ہو سکتے ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ اسی بات کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان الفاظ میں کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدًا“<sup>3</sup>

”اور تمہاری پرودگار کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں۔“

ہم سب جانتے ہیں کہ سچائی کی بنیاد عدل پر ہے۔ عدل سے مراد یہ ہے کہ ہر اس چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھا جائے یعنی جو اختیار دیا جائے اس کو درست طریقے سے پورا کرنا عدل ہے، جبکہ اس کی ضد ظلم کو قرار دیا ہے یعنی جب عدل و انصاف نہیں کرو گے یا اپنی ذمہ داریوں کو درست طریقے سے پورا نہیں کرو گے تو یہ ظلم ہو گا۔ لہذا نبی کریم ﷺ نے ظالموں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”عن كعب بن عجرة قال لي رسول الله ﷺ اعيزك بالله يا كعب بن عجرة من امر ابيكونون من بعدى فمن غشي ابوابهم فصدقهم في كذبهم واعانهم على ظلمهم فليس مني ولست منه ولا يرد على الحوض، ومن غشي ابوابهم او لم يغش فلم يصدقهم في كذبهم ولم يعنهم على ظلمهم فهو مني وانا منه وسيرد على الحوض“<sup>4</sup>

”کعب بن عجرۃ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے کعب بن عجرۃ میں تمھیں اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں ایسے امراء حکام سے جو میرے بعد ہوں گے جو ان کے دروازے پر گیا اور ان کے جھوٹ کی تصدیق کی اور ان کے ظلم پر ان کا تعاون کیا تو وہ نہ مجھ سے ہے اور نہ میں اس سے ہوں اور نہ وہ حوض پر میرے پاس آئے گا۔ جو کوئی ان کے دروازے پر گیا یا نہیں گیا لیکن نہ جھوٹ میں ان کی تصدیق کی اور نہ ہی ان کے ظلم پر ان کی مدد کی، تو وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور وہ عنقریب حوض کوثر پر میرے پاس آئے گا“

اسی بات کی وضاحت ایک اور احادیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”عن عبد اللہ عن النبی ﷺ قال: ان الصدق یهدی الی البر وان البر یهدی الی الجنة وان الرجل لیصدق حتی یکون صدیقاً وان الکذب یهدی الی الفجور وان الفجور یهدی الی النار وان الرجل لیکذب حتی یموت عند اللہ کذاباً“<sup>5</sup>

”عبد اللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا بلاشبہ سچ آدمی کو نیکی کی طرف بلاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ اور ایک شخص سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ صدیق کا لقب اور مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ بلاشبہ جھوٹ برائی کی طرف لے جاتا ہے اور برائی جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔ ایک شخص جھوٹ بولتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے“

یہ ایک بنیادی بات ہے کہ دور جدید میں حکمران اور ایسے تمام عہدیداران جن کو ذمہ داریاں تفویض کی جاتی ہیں وہ ان کی تکمیل میں غلط راستے اور ذرائع استعمال کرتے ہیں۔ بلکہ عوام الناس کو گمراہ کرنے کے لیے جھوٹے دعوے بھی کرتے رہتے ہیں۔ جدید سیاست میں تو اس رویے کو اس منہج سے اختیار کر لیا گیا ہے گویا یہ ان کا بنیادی حق ہو۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ جو کریں گے جیسا کہیں گے عوام الناس اسے ماننے کے لیے بے بس ہوگی جبکہ وہ بھول جاتے ہیں کہ وہ اسلامی ریاست کے منتظم ہیں جس کے مطابق اقتدار اعلیٰ کا مالک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس نے واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ جھوٹے اور فریبی کے مقدر میں صرف لعنت ہی لکھی جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ہَلْ أَتٰکُمْ عَلٰی مَنْ تَزَلُّوا الشَّیْطٰنُ تَزَلُّوْا عَلٰی کُلِّ اَفَّاکٍ اٰیْمٍ<sup>6</sup>

”میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں؟ وہ ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں“

نیز ارشاد فرمایا: کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ سَفَعًا لِّلْاَصِیۃِ نَاصِیۃً کَاذِبِۃٍ غَاطِیۃٍ<sup>7</sup>

”تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے، اس جھوٹے خطاکار کی پیشانی کے بال“

اس لیے جس شخص کے ذمہ کوئی کام لگایا جائے وہ اس میں سچے اور انصاف پسند لوگوں کا تعاون حاصل کرے اور اگر کسی وجہ سے ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو ایسے لوگوں کے قریب تر صفات والے لوگوں سے مدد لے، اس طرح اعلیٰ عہدوں کے لیے ایسے شخص کا انتخاب بہت ضروری ہے جو نسبتاً زیادہ باصلاحیت ہو۔ لہذا دو اہل افراد میں سے اہل تر کا انتخاب کر لیا جائے اور دو برے لوگوں میں سے اس سے بچا جائے جو زیادہ برا ہو۔ چنانچہ ضروری ہے کہ پاکستان کے موجودہ نظام میں اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ کیا انتظامیہ اپنے اختیارات کا بے جا استعمال کرتی ہے اور اس کے لیے کیا قانون انھیں مدد فراہم کرتی ہے یا پھر باز پرس کا قانون زیادہ مضبوط ہے۔

۱۔ پاکستان میں حکمرانوں کے اختیارات کا استعمال:

اگر ہم حکمرانوں کے اختیارات کے استعمال کا جائزہ لیں تو اسلام سے قبل حاکم کے اختیارات کی کوئی حد نہ تھی، اسے ہر طرح کے تصرف کی قانونی اجازت ہوتی تھی، حاکم و محکوم کا رشتہ آقا اور غلام کا ہوتا تھا، جس طرح آقا اپنے غلام پر ہر طرح کا اختیار رکھتا ہے اسی طرح حاکم وقت کو اپنے رعایا پر پورے پورے اختیارات حاصل ہوتے تھے، حاکم کی ہر خواہش کی تکمیل رعایا کا منصبی فریضہ تھا، حاکم جب چاہتا اپنی رعایا کو لاٹھی سے ہکا کر جنگل بھیج دیتا اور جب چاہتا شہروں میں بسا دیتا، یہ سب کچھ قوت و اقتدار کا کھیل ہوتا تھا، جب تک حاکم کے پاس قوت ہوتی وہ اپنی رعایا کا ہر ممکن استحصال کرتا، اور جوں ہی اس کی قوت کمزور پڑتی، رعایا اس کی اطاعت سے آزاد ہو جاتی اور بعض مظلوم تو اس کی جان کے درپے ہو جاتے، غرض نہ عوام کے نزدیک محکومیت کا کوئی معیار تھا اور نہ حاکم کے اختیارات و تصرفات کے لیے کوئی حد تھی۔

اسلام نے سب سے اول حاکم کے لامحدود اختیارات کی تحدید کی، حاکم و محکوم کے رشتے کو معتدل بنایا، طاقت کے بجائے اجتماعی حاجات کی تکمیل اور انسانی قدروں کی حفاظت کی حکومت کا منشور قرار دیا، جس کے لیے حاکم و محکوم کی مشترکہ وحدت اور باہمی موافقت ضروری ہے اسی لیے عوام کو یہ اختیار دیا کہ وہ حکومت کے لیے ایسے شخص کا انتخاب کریں جو ان کے اجتماعی تقاضوں کو پورا کرے اور عمومی مصالح کی نگرانی کر سکے، اور حاکم کو پابند کیا کہ وہ حق کے خلاف قدم نہ اٹھائے، انسانی قدروں کو پامال نہ کرے، قومی تقاضوں کو محسوس کرے اور حدود سے تجاوز نہ کرے، ورنہ قوم کو اختیار ہو گا کہ اس کو معزول کر کے کسی دوسرے لائق انسان کو اپنا حاکم بنالے۔ اسلام نے اس تصور کا بھی خاتمہ کیا جو صدیوں سے چلا آ رہا تھا کہ حکومت کسی ایک خاندان کا حق ہے اور یہ ایک وراثت ہے جو لامحالہ وارثوں کو ہی ملے گی، اسلام نے اس کی جگہ یہ صالح تصور دیا کہ حکومت دراصل خدا اور رسول کی نیابت و جانشینی ہے، اس لیے جس طرح رسول اللہ ﷺ دین و انسانیت کی حفاظت اور اجتماعی سیاست کی پاسداری کرتے تھے، اسی طرح امام وقت پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے یا اپنے خاندان کے بجائے پوری قوم کی فلاح و بہبود کی فکر کرے۔

جہاں تک دور جدید میں حکومت کا اختیارات سے تجاوز کرنے کا سوال ہے تو اعلیٰ حکام اور انتظامیہ اس میں اپنی مثال آپ ہیں اور اس کا زیادہ استعمال ہمیں انتظامیہ کے صوابدیدی اختیارات میں نظر آتا ہے۔

اسلام کے تصور کائنات کی رو سے خلافت، امانت اور عدالت کے تصورات، حکومتی صوابدیدی اختیارات کے استعمال کے سلسلے میں اہم راہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ بطور خلیفہ انسان کو تفویض کردہ صوابدیدی اختیارات جہاں انسان کو امانت کے تقاضوں کی پاسداری کی صلاحیت دیتے ہیں وہیں یہ امانت کے سوائے استعمال کی گنجائش بھی رکھتے ہیں تاہم خلیفہ کی حیثیت سے انسان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ خالق کائنات کے تفویض کردہ اختیارات اور اس کی عطا کردہ امانت کے تقاضوں کی پوری رعایت کرے اور اسے عدل اور دیانت داری سے استعمال کرے۔ قرآن حکیم میں اس بارے میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا“<sup>81</sup>

”اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو“

جہاں تک نظام حکومت میں اختیارات کے استعمال کا تعلق ہے تو حکمران ملکی وسائل کو اپنی ذات تک محدود نہیں کر سکتا بلکہ اس کا استعمال عوام الناس کے لیے کرنا ہوتا ہے۔ اسی بات کی وضاحت ہمیں سیرت طیبہ میں بھی ملتی ہے۔



حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”مرت ابل الصدقة علی رسول اللہ ﷺ قال: فاهوی بیده الی وبرة من جنب بعیر فقال: ما ان بحق بهذه البرة من رجل من المسلمين“<sup>9</sup>

”ایک مرتبہ (بیت المال کے) صدقہ کے کچھ اونٹ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے گزر رہے تھے، نبی ﷺ نے ایک اونٹ کے پہلو سے اپنے ہاتھ سے اس کی اون پکڑی اور فرمایا کہ میں ایک عام مسلمان کی نسبت اس اون کا بھی کوئی زائد استحقاق نہیں رکھتا“

اس سے معلوم ہوا کہ حکمران اور سرکاری حکمران، سرکاری املاک کے سلسلہ میں ایک ملک کے عام باشندہ کی طرح ہیں، انہیں اس میں ناحق و بے جا تصرف کرنا اور دوسروں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو ترجیح دینا جائز نہیں، جیسا کہ آج کل حکمران اور سرکاری افسران شاہ خرچیاں کرتے اور سرکاری اموال و اشیاء (روپیہ پیسہ، بجلی، ٹیلی فون، گیس اور دیگر چیزوں) میں مال مفت، دل بے رحم کا کردار ادا کرتے ہیں۔

اسی طرح سربراہ حکومت اور حکومتی ارکان ریاستی نظم و نسق کے لیے اپنی ضرورت کی چیزیں حاصل کر سکتے ہیں اس کی وضاحت بھی ہمیں سیرت طیبہ سے ملتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”سمعت النبی ﷺ یقول: من ولی لنا عملا ولیس له منزل، فلیتخذ منزلا، او لیست له خادم فلیتخذ خادما، او لیست له دابة فلیتخذ دابة، ومن اصاب شیئا سوی ذالک فهو غال“<sup>10</sup>

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص ہماری طرف سے کسی علاقہ کا وزیر (و گورنر) نامزد ہو اور اس کے پاس (متعلقہ شہر میں) کوئی گھرنہ ہو تو وہ (سرکاری خرچ پر) گھر کا انتظام کر سکتا ہے، بیوی نہ ہو تو نکاح کر سکتا ہے، خادم (و ملازم) نہ ہو تو خادم (و ملازم) رکھ سکتا ہے، سواری نہ ہو تو سواری رکھ سکتا ہے، لیکن اس کے علاوہ جو کچھ لے گا، وہ اللہ کے یہاں خائن شمار ہوگا“

معلوم ہوا کہ حکمران کو ملکی خزانہ اور سرکاری املاک سے بقدر ضرورت تو اپنے اخراجات کے لئے لینا جائز ہے، جس میں بقدر ضرورت سواری اور ملازم اور رہائش وغیرہ کا انتظام داخل ہے، لیکن اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ بقدر ضرورت اور بوقت ضرورت کے اصول پر عمل پیرا ہو، اور موجودہ دور کے عام حکمرانوں کی شاہی فضول خرچیوں اور اسراف سے بچے، ورنہ اس کا وبال بڑا سخت ہے۔

حق خلافت اور صوابدیدی اختیارات کے صحیح استعمال کا نتیجہ اچھے طرز حکمرانی کی شکل میں سامنے آتا ہے جس میں عدل، معاملات کی صفائی اور جوابدہی کے عناصر ترکیبی شامل ہوتے ہیں۔ ایسی طرز حکمرانی کو نبی کریم ﷺ نے تقریباً پندرہ صدیاں قبل دنیا کے سامنے متعارف کرایا جس کی خلفائے راشدین نے بھی پیروی کی۔ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے اس وقت جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ حق خلافت و حکمرانی کے استعمال کے حوالے سے بنیادی راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ آپؓ نے فرمایا:

”لوگو! مجھے تم پر حاکم بنایا گیا ہے، جب کہ میں تم سے بہترین شخص نہیں ہوں۔ اگر میں کوئی اچھا کام کروں تو میری مدد کرنا اور اگر میں کوئی غلطی کروں تو مجھے سیدھا کرنا، سچائی امانت داری کا نام ہے اور جھوٹ ایک بڑی خیانت ہے۔ تم میں جو کمزور شخص ہے، وہ میرے نزدیک طاقتور ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق اسے لوٹا دوں اور تم میں طاقتور آدمی میرے نزدیک اس وقت تک کمزور ہے جب تک میں اللہ کی مرضی سے اس سے (ضعیف کا) حق نہ لے لوں۔ اگر میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں“<sup>11</sup>

لہذا دور جدید میں اس بات کو بھی تفصیل سے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ ایسے دور میں جس میں کسی شخص کے حقوق کو متاثر کرنے کے وسیع اختیارات تمیزی حکومت کو حاصل ہیں یہ ایک اہم سوال ہے کہ اختیار تمیزی کے بے جا اور غلط استعمال کی بنا پر حکومت کس حد تک ذمہ دار قرار دی جاسکتی ہے۔ امریکہ میں وفاقی فعل بے جا مطالبات ایکٹ نے اختیار تمیزی کو استعمال کرنے میں کیے ہوئے فعل بے جا کی ذمہ داری سے حکومت کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔ اس امر کی ایکٹ کی تجویز ہے کہ ریاست ذمہ دار نہ ہوگی۔

”ایسے مطالبہ کے لیے جو کسی جائز خواہ ناجائز قانون یا ضابطہ پر واجب احتیاط سے عمل درآمد کرنے والے سرکاری ملازم کے عمل یا ترک عمل پر مبنی ہو۔ یا جو کسی وفاقی ایجنٹ کے اپنے اختیار تمیزی پر مبنی عمل یا فرض کی انجام دینے یا انجام دینے سے قاصر رہنے کی بنا پر کیا گیا ہو خواہ اس اختیار تمیزی کا غلط استعمال ہی کیوں نہ کیا گیا ہو“<sup>12</sup>

عصر حاضر میں حکومتی و انتظامی صوابدید کا مسئلہ بحث و تحقیق کا ایک اہم موضوع بن چکا ہے جس کے غلط استعمال سے بچاؤ کے حوالے سے قواعد و ضوابط تشکیل دیے گئے ہیں۔

انتظامی صوابدید کی تعریف کرتے ہوئے ایک مغربی ماہر قانون کہتا ہے:

”انتظامی صوابدید کا مفہوم یہ ہے کہ موجودہ امور میں سے عقل اور انصاف کی روشنی میں انتخاب کرنا نہ ذاتی پسند یا ناپسند کی روشنی میں۔ اگر حکومتی و انتظامی اختیار کا بے جا استعمال قانون میں موجود حدود، توضیحات اور اس کے ظاہری تقاضوں کے برخلاف ہو تو یہ حق سے تجاوز یا تعدی ہو گا۔ جدید قانونی اصطلاح میں اسے Ultravires کہا جاتا ہے جسے قانونی تحفظ حاصل نہیں ہوتا۔ البتہ اگر حکومتی و انتظامی اختیار کا استعمال قانون کے ظاہری تقاضوں کے مطابق ہو مگر صوابدید اختیار کے مقصد تفویض کے برخلاف ہو اور خارجی عوامل پر مبنی ہو تو اسے عدالتی حکم کے ذریعے کالعدم قرار دیا جاسکتا ہے“<sup>13</sup>

۳۔ سربراہ حکومت کا اختیارات سے تجاوز اور تصور احتساب:

جدید ریاستی نظم و نسق میں اگر سربراہ ریاست اپنے اختیارات سے تجاوز کرے تو اس کا محاسبہ کیا جائے گا۔ خواہ ان اختیارات کا استعمال قصداً کیا ہو یا اپنے فرائض سے لاپرواہی کی بنا پر تجاوز کی ہو۔ شریعت نے سربراہ ریاست کو کوئی اختیار دیے بغیر ایک عام شہری کے مساوی درجہ دیا ہے۔ اس لیے انصاف اور مساوات کا تقاضا یہ ہے کہ جب ہر فرد سے خلاف شریعت کام پر محاسبہ ہو سکتا ہے تو سربراہ ریاست کا بھی محاسبہ ہو گا۔ اسلامی مملکت میں حکمران اہم مقام پر فائز ہوتا ہے، اگر یہ درست طریقے سے اپنی ذمہ داریاں

نبھاتا رہے تو عوام کے معاملات بھی درست رہیں گے اور اگر حاکم اپنے فرائض پوری ایمانداری سے ادا نہیں کرے گا تو عوام کے معاملات بھی بگڑ جائیں گے اور اسی بنا پر اسلام میں حکمران کے احتساب کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔

اسلامی نقطہ نظر کے مطابق حکمران اللہ کے سامنے اور عوام الناس کے سامنے بھی جوابدہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حکمرانوں اور عوامی نمائندوں کے تمام اعمال و افعال سے باخبر ہوتا ہے۔ مسلم مملکت کے عوام کو بھی حکومت پر تنقید کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ برسر اقتدار افراد کا محاسبہ کرنے کا انہیں پورا پورا اختیار ہوتا ہے۔ گویا اس سے معلوم ہوا کہ انتظامیہ ہر حال میں اعمال و افعال کی جوابدہ ہے۔ ہمیں تاریخ اسلام میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جب حاکم وقت کا کھلے عام احتساب کیا گیا۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ پر حضرت سلمان فارسی نے نقد کرتے ہوئے کہا:

”واللہ ہم آپ کی بات نہیں سنیں گے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا: کیوں؟ انہوں نے کہا: پہلے یہ بتائے کہ مال غنیمت میں جو بمبئی چادریں آئی ہیں، ان میں سے جب ہر ایک کے حصہ میں ایک چادر ہی آئی ہے تو آپ کے جسم پر دو چادریں کیسی ہیں؟ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبد اللہؓ سے گواہی دلوائی کہ دوسری چادر ان کی ہے جسے ان کے باپ نے ان سے مانگ لی تھی۔ تب سلمان فارسیؓ بولے: ”ہاں! اب فرمائیے۔ ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے“<sup>14</sup>

حضرت عمرؓ کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ کسی عامل کو اس کے عہدہ پر مقرر کرنے سے پہلے ان کی مالی حالت کا اچھی طرح اندازہ کر لیتے۔ اس کے بعد وہ اس بات کی نگرانی کرتے کہ اس عہدہ کے دوران میں اس کی آمدنی کے اضافہ کا کیا حال رہا ہے۔ اگر یہ اضافہ اس کی سابقہ آمدنی اور اس کے عہدہ کی آمدنی کے تناسب سے ہوتا تو اس سے تعرض نہ فرماتے لیکن اگر ان کو اس میں کوئی غیر معمولی فرق محسوس ہوتا تو فوراً تحقیقات شروع کر دیتے، اور اگر تحقیقات سے خیانت ثابت ہوتی تو اس کی آمدنی تقسیم کر لیتے اور فرماتے کہ ہم نے تم کو والی بنا کر بھیجا ہے، تاجر بنا کر نہیں بھیجا ہے۔

مصر کے گورنر عمرو بن عاصؓ کے متعلق حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ انہوں نے سر و سامان بہت اکٹھا کر لیا ہے۔ یہ معلوم ہوتے ہی فوراً ان کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پاس سامان، غلام، برتن، مولیشی اور اس قسم کی دوسری چیزیں بہت جمع ہو گئی ہیں، حالانکہ تم مصر کے گورنر مقرر کیے گئے تھے تو ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی تمہارے پاس موجود نہ تھی۔ عمرو بن عاصؓ نے جواب دیا کہ ”یہ زراعت اور تجارت کا ملک ہے۔ اس وجہ سے ہم کو ہماری ضرورت سے زیادہ مل جایا کرتا ہے اور ہم آسانی کے ساتھ پس انداز کر لیتے ہیں۔“ حضرت عمرؓ نے ان کو جواب میں لکھا کہ میں برے عاملوں کا کافی تجربہ رکھتا ہوں، تمہارا خط بتاتا ہے کہ تمہارے اوپر جو گرفت کی گئی ہے اس سے تمہیں بڑی تکلیف پہنچی ہے اور مجھ کو تمہارے بارے میں بدگمانی ہے اور اس وجہ سے میں محمد بن مسلمہ کو بھیج رہا ہوں کہ وہ تمہارا مال تقسیم کر لے۔ یہ تم سے جو تفصیل طلب کرے اس سے ان کو باخبر کرو۔ اور جس چیز کا مطالبہ کرے، ان کے سامنے پیش کرو اور اس سلسلہ میں ان کی طرف سے جو سختی ہو اس کو معاف کرو۔<sup>15</sup>

حکومت کی طرف سے خراج کے افسروں کا نہایت سختی سے محاسبہ کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے احتساب کا ایک مستقل محکمہ قائم کر دیا تھا، اس محکمہ کے افسر محکمہ خراج کے عہدہ داروں کی مالی حالت کا جائزہ لیتے رہتے تھے اور اس بات کی سخت نگرانی رکھتے تھے کہ کہیں کسی عہدہ دار کا خرچ اس کی آمدنی سے زیادہ تو نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تھا تو فوراً تفتیش کی جاتی تھی، حضرت عمرؓ کو اگر خراج کے کسی افسر

کی دولت مندی پر شبہ ہو جاتا تھا تو نہایت سختی سے اس کی تحقیق کراتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرو بن عاصؓ کی غیر معمولی ثروت پر شبہ ہو گیا تو آپ نے ان کی رعایت نہیں کی اور نہایت سختی سے محمد بن مسلمہ کے ذریعہ تفتیش کرائی۔<sup>16</sup>

بنو امیہ نے خراج کا نظم و نسق اعلیٰ پیمانہ پر قائم کیا تھا، عبد الملک بن مروان خراج کے بددیانت افسروں کو برطرف کرنے کے بعد نہایت سختی سے ان کی ثروت کا جائزہ لیتا تھا اور جن لوگوں پر یہ شبہ ہو جاتا تھا کہ خراج کے افسروں کی امانتیں ان کے پاس رکھی ہیں ان سے اعتراف کرانے کے لیے انہیں سنگین سزائیں دی جاتی تھیں اور ان سے مال و دولت لے کر بیت المال میں داخل کر دیا جاتا تھا۔ بنی امیہ کا آخر زمانہ فتنہ و فساد کا دور تھا، اس میں خراج کا نظام بھی ابتر ہو گیا تھا، جبر و استبداد، رشوت ستانی اور شخصی عداوت کا دور دورہ تھا، گورنروں میں آمریت کی شان پائی جاتی تھی۔ نیا گورنر اپنے سابق گورنر کے عملہ کو گرفتار کر لیتا تھا اور اس کی جگہ اپنے خاص افراد کو مقرر کر دیا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بنی امیہ کی تباہی میں اس کا بھی بہت عمل دخل رہا۔<sup>17</sup>

جہاں تک عمال کی تربیت اور ان کے محاسبہ کا تعلق ہے تو اس کے دو پہلو کیے جاسکتے ہیں، ایک تو یہ کہ جن لوگوں کو کوئی اہم ذمہ داری سونپی جاتی مثلاً صدقہ یا زکوٰۃ وغیرہ کی وصولیائی کے لیے بھیجا جاتا ان سے رسول اللہ ﷺ اس بات کی پوچھ گچھ کرتے تھے کہ کہیں وصولی میں انہوں نے بے جا ظلم یا زیادتی یا ناجائز طریقہ تو اختیار نہیں کیا۔ چنانچہ مشہور واقعہ ہے۔ حضرت ابو حمید ساعدیؓ سے روایت ہے کہ:

”ان رسول اللہ ﷺ استعمل عاملاً فجاءه العامل حين فرغ من عمله، فقال: رسول الله ﷺ، هذا لكم وهذا اهدى لي: فقال له: لا فعدت في بيت ابيك وامك فنظرت اهدى لك ام لا“<sup>18</sup>

”رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو عامل (یعنی زکوٰۃ وغیرہ کو حاصل کرنے کا وزیر) بنا کر بھیجا، وہ جب اپنے کام سے فارغ ہو چکا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! یہ (مال) آپ (یعنی بیت المال) کا ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تم اپنے باپ اور اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہیں بیٹھے رہے پھر دیکھتے کہ تمہیں ہدیہ دیا جاتا ہے یا نہیں“

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے چھوٹے بیٹے کے ہاتھ میں کانس کا ایک ٹکڑا دیکھا جس کی کوئی قیمت نہ تھی (انتہائی معمولی تھا)۔ حضرت عمر فاروقؓ نے پوچھا بچے کانس کا یہ ٹکڑا تجھے کس نے دیا ہے۔ بیٹے نے جواب دیا ابو جان مجھے یہ ٹکڑا بیت المال کے خازن نے دیا ہے حضرت عمرؓ اپنے بیٹے کو لے کر خازن کے پاس آئے اور اس سے فرمایا تجھے یہ ٹکڑا عمرؓ کے بیٹے کو دینے کے لیے کس نے دیا ہے۔ خازن نے جواب دیا اے امیر المؤمنین میں نے بیت المال کا حساب لگایا (یعنی گنتی کی کہ کون سا مال کتنا اور کیا ہے) تو خزانے میں سونا اور چاندی ہی پایا اس پورے خزانے میں کانس کا ایک ٹکڑا ملا میں نے اسے آپ کے بیٹے کے حوالے کر دیا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور فرمایا تیری ماں تجھے گم کر دے کیا تو نے تمام مسلمانوں کے گھروں کا جائزہ لینے کے بعد کوئی ایسا گھر نہیں پایا جو حرام مال کھائے اس کے لیے تجھے عمر کا ہی گھر نظر آیا۔ یہ ٹکڑا لو اور اس کو اسی کی جگہ رکھ دو۔<sup>19</sup>

خلیفہ عمر بن عبد العزیزؓ کے کسی حاکم نے اپنے شہر کی ویرانی کا شکایت نامہ بھیجا اور امیر المؤمنین سے اس کو آباد کرنے کے لیے مال طلب کیا۔ امیر المؤمنین نے اس کو جواب میں لکھا:

”فاذا قرأت كتابي فحصن مدينتك بالعدل ووثق طرفها من الظلم فانها حرمتها والسلام“<sup>20</sup>

”جب تم میرا خط پڑھو تو اپنے شہر کو عدل و انصاف کے ذریعے محفوظ کر لو اور شہر کے راستوں سے ظلم و زیادتی دور کر دو کیونکہ ظلم و زیادتی ہی شہر کی ویرانی کا باعث ہے، والسلام“

اسلامی ریاست میں عمال کے احتساب کا بھی باقاعدہ تصور موجود ہے اور کسی بھی منتظم کو اپنے اختیارات سے تجاوز کرنے پر طلب کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اسلامی ریاست کے سربراہ کو عدلیہ کے مقابلے میں بھی کوئی تحفظ نہیں، اسے عام شہریوں کی طرح عدالت میں طلب کیا جاسکتا ہے۔ ایک عام شہری اس کے خلاف مقدمہ بھی دائر کر سکتا ہے۔

خلیفۃ المسلمین حضرت عمر اور حضرت ابی بن کعب کے درمیان کسی معاملہ میں تنازعہ ہو گیا حضرت ابی نے قاضی مدینہ زید بن ثابت کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا عدالت سے حضرت عمر کو حاضر ہونے کا حکم جاری ہوا، وہ حاضر ہوئے مگر گواہ نہ اس کے پاس تھا اور نہ مدعی کے پاس تھا۔ قاعدہ کے مطابق حضرت عمر کو قسم کھانی تھی حضرت ابی نے دیکھا کہ حضرت عمر اس کے لیے تیار ہیں تو انہوں نے اپنا دعویٰ واپس لے لیا۔<sup>21</sup>

حضرت علی نے ایک نصرانی کو بازار میں اپنی زرہ فروخت کرتے دیکھا تو اس نے کہا زرہ میری ہے۔ اس کے انکار پر مقدمہ قاضی شریح کی عدالت میں پیش ہوا انہوں نے حضرت علی سے شہادت طلب کی وہ پیش نہ کر سکے۔ چنانچہ فیصلہ نصرانی کے حق میں سنا دیا گیا۔ اور خود حضرت علی نے اسے قبول فرمایا۔ شریح تم نے ٹھیک فیصلہ کیا۔ فیصلہ سن کر نصرانی حیرت زدہ رہ گیا اور بولا کہ یہ تو پیغمبرانہ عدل ہے کہ امیر المومنین کا بھی احتساب ہو سکتا ہے۔ اور فیصلہ بھی ان کے خلاف ہو سکتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ زرہ ان کی ملکیت ہے یہ ان کے اونٹ سے گر گئی تھی جو میں نے اٹھالی۔<sup>22</sup>

لہذا اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی ریاست میں ایک عام آدمی عدالت میں مقدمہ دائر کر کے حکومت کے اعلیٰ ترین عہدیداروں کو ملزموں کے کٹہرے میں لا کر ان کا محاسبہ کر سکتا ہے۔

حاکم ریاست کو وسیع اختیارات دینے سے ان کے غلط اور بیجا استعمال کا احتمال ہو جاتا ہے لہذا ایسے احتمال کے خلاف تحفظ قائم کرنا ضروری ہے تاکہ کسی بھی فرد واحد کے ساتھ بے انصافی نہ ہو سکے۔ اس غرض کے لیے ممکن نہیں ہے کہ اختیار کے ٹھیک استعمال کے لیے خود انتظامیہ کے شعور واجب پر استدلال کیا جائے کیوں کہ وسیع اختیار کے باعث اس کا استعمال کرنے والا طاقت سے محذور ہو جاتا ہے۔ عدالتوں کا انتظامیہ کے افعال پر قابو رکھنے میں بڑا ہاتھ ہے۔ اس سلسلہ میں دستور ہند سے قائم کیے ہوئے بنیادی حقوق اہم رول ادا کرتے ہیں۔<sup>23</sup>

اسلامی مملکت میں عوام کو بھی یہ حق حاصل رہتا ہے کہ وہ جب چاہیں اپنے حکمران کا احتساب کر لیں، اس لیے کہ دونوں کے باہمی تعلقات خیر خواہی پر مبنی ہوتے ہیں اور خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ اگر حکمران کسی غلط روش پر چل رہا ہو تو اسے متنبہ کر دیا جائے اور اس کی سمت درست کر دی جائے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بیعت خلافت کے بعد لوگوں کے سامنے تقریر کی تو اس میں یہ بھی فرمایا:

”فان احسنت فاعینونی وان اسات ففوقونی“<sup>24</sup>

اگر میں صحیح طریقے سے کام کروں تو میری مدد کرو اور اگر میں غلط راہ پر جا پڑوں تو مجھے سیدھا کر دو۔

اس طرح حضرت عمر نے ایک بار امت کی قوت احتساب کا جائزہ لینے کی خاطر فرمایا کہ اگر میں معاملات میں ڈھیل کر لوں تو تم کیا کرو گے حضرت بشر بن سعد کھڑے ہو گئے تلوار نیام سے نکالی اور کہا کہ ہم تمہارا سراؤ ادا دیں گے۔ کیا تم میری شان میں یہ کہتے ہو

انہوں نے کہا ہاں ہاں تمہاری شان میں۔ حضرت عمر نے خوش ہو کر کہا الحمد للہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہو جاؤں تو وہ مجھے سیدھا کر دیں گے۔<sup>25</sup>

یہی طرز عملی حضرت عثمان اور حضرت علی کا رہا حضرت عثمان پر تو تنقیدوں کے تیروں کی بارش ہوتی رہی مگر انہوں نے رشوت یا جبر کے ذریعہ کسی کی زبان بند کرنے کی کوشش نہ کی حضرت علی کو خوارج نے گالیاں تک دیں بلکہ روبرو قتل کی دھمکیاں بھی دیں مگر آپ نے تعرض نہ کیا اور فرمایا محض زبانی مخالفت کوئی ایسا جرم نہیں جس کی وجہ سے ان پر ہاتھ ڈالا جائے۔<sup>26</sup>

لہذا سربراہ ریاست سے تو اس کے ہر عمل کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اس کو جو طاقت اور اختیار دیا گیا تھا اس کا استعمال کیسے کیا۔ لہذا آئین پاکستان میں بھی اس کے بارے میں واضح ہدایات موجود ہیں کہ جہاں حکمرانوں کو استحقاق دیے گئے ہیں وہ استحقاق ان کے احتساب میں رکاوٹ نہیں بن سکتے لہذا جو بھی حاکم اختیارات سے تجاوز کرے گا اسے اس کے بارے میں جواب دینا پڑے گا۔

آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے جسے ابن عمر نے روایت کیا ہے:

”عن عبد الله كلکم راع فمستول عن رعیتہ، فالامیر الذی علی الناس راع وهو مسئول عنهم والرجل راع علی اهل بیتہ وهو مسئول عنهم والمرء راعیة علی بیت بعلہا وولدہ وہی مسئلة عنهم والعبد راع علی مال سیدہ وهو مسئل عنه الا فکلکم راع وکلکم مسئل عن رعیتہ“<sup>27</sup>

”عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا پس جو لوگوں کا حاکم ہے اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا اور ہر آدمی اپنے گھر والوں پر حاکم ہے اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں پر حاکم ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا، غلام اپنے آقا کے مال کا حاکم ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔ پس جان لو کہ تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی“

اس سے معلوم ہوا کہ سربراہ ریاست سے سوال و جواب تو ہو گا کہ جس چیز کا اسے ذمہ دار بنایا گیا تھا کیا اس نے اس ذمہ داری کو پورا کیا ہے یا نہیں۔

#### ۴۔ تہمید و تجزیہ:

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے کسی بھی ترقی پذیر ملک میں سرکاری شاہی محل، سرکاری گاڑیاں، تلافی تنخواہیں، شاہی سہولتیں، پروٹوکول اخراجات، شاہی محلوں پر مشتمل رہائشیں، شاہی مزین دفاتر، سرکاری بے شمار خدمت گاروں کی فوج مہیا کرنے یا لاتعداد غیر ضروری سرکاری خزانے کے اخراجات کا عدل کش نظام مروج نہیں۔ تمام مغربی ممالک میں صرف چار پانچ مرلے پر مشتمل سادہ کوارٹر نما گھر سیاستدانوں اور افسروں کو مہیا کیے جاتے ہیں۔ تمام سیاسی حکمران اور سرکاری ملازمین پیدل، سائیکلوں، بسوں پر دفاتروں میں آتے جاتے ہیں۔ بہت ہی کم سرکاری گاڑیوں کا استعمال کیا جاتا ہے جب کہ پاکستان میں صاحب اختیار اور حکمرانوں نے ملک کا نظام عدل و انصاف اور اعتدال کے متضاد نافذ کر رکھا ہے۔ ملک میں سرکاری گاڑیوں کی تعداد، حکمرانوں کے سرکاری محلات کی تعداد اور دیگر بے شمار سرکاری سہولتیں: ان کے شاہی دسترخوان، شاہی اخراجات اور ان کے بچوں کی سکولوں، کالجوں کی فیسیں اور دیگر اخراجات ان کی تنخواہوں سے زیادہ دکھائی دیں گے۔

موجودہ نظام انتخابات نے ہمیشہ اسمبلیوں میں بیشتر نااہل اور مفاد پرست افراد کو بھجوا دیا ہے جنہوں نے ملک و قوم کی خدمت کی بجائے اپنے ذاتی مفادات کا تحفظ کیا۔ ہارس ٹریڈنگ، رشوت، غبن، لوٹ مار، خیانت اور ناجائز طریقوں پر کروڑوں اربوں روپے کے قرضے لینا اور دھوکہ دہی سے ان قرضوں کو معاف کروانا ان اراکین کا معمول رہا ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”ان رسول اللہ ﷺ قال الا کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیتہ فالامام الاعظم الذی علی الناس راع و هو مسؤل عن رعیتہ“<sup>28</sup>

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آگاہ ہو جاؤ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا پس امام (حاکم، امیر المؤمنین) لوگوں پر نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا۔“

گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب کسی رعایا پر حاکم بنائے جاتے ہیں وہ اپنے ہر فعل کے لیے جوابدہ ہوتے ہیں اور اختیارات کا جو استعمال کرتے ہیں اس کے لیے بھی ان سے پوچھا جاسکتا ہے مگر دور جدید (بالخصوص پاکستان) میں حکام سرکاری منصب کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عوام کی خدمت اور علاقہ کی بہتری کے نام پر کروڑوں روپے کے منصوبے منظور کروا لیتے ہیں مگر انہیں اپنے ذاتی مفادات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ عوام کے منتخب نمائندوں کی حیثیت سے جتنی بھی مراعات ملتی ہیں سب اپنے ذاتی مفادات کے لیے استعمال کر جاتے ہیں۔ حال ہی میں (2013) ہمارے شہر ملتان کے ڈی سی او نے ایسے 400 ملازمین کی نشاندہی کی جو تنخواہ تو گورنمنٹ سے لیتے رہے مگر کام عوامی نمائندوں کے گھروں میں کرتے رہے۔ اس کے ساتھ کارخانوں کے لائسنس اور پرمٹ، پلاٹوں اور جاگیروں کا حصول ان اراکین کا شیوہ رہا ہے۔ یہ نااہل اور مفاد پرست افراد ایک بالادست طبقے کی حیثیت سے عوام کا استحصال کرتے رہے ہیں اور ہمیشہ انتخابات کے مواقع پر عوام کے خادم اور غریبوں کے ہمدرد کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ انتخابات جیتنے کے لیے لاکھوں کروڑوں روپے داؤ پر لگاتے ہیں اور پھر اسمبلی میں بیٹھتے ہی پہلے چند روز میں وہ سارا خرچہ (اصل زر) وصول کر لیتے ہیں اور بقیہ سال سارے منافع کے ہوتے ہیں۔

دور حاضر میں انتظامیہ کا اختیارات سے تجاوز کرنا اور کرپشن میں ملوث ہونا معمول بن گیا ہے لہذا اس بات کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے کہ انتظامیہ کس کے سامنے کن باتوں کے لیے جوابدہ ہے کیا اس کا محاسبہ ممکن ہے۔ ہماری روزمرہ کی زندگی میں انتظامیہ کا روز بروز بڑھتا ہوا عمل دخل جس نے بڑی حد تک ہر شعبہ زندگی میں شخصی آزادیاں سلب کر لی ہیں۔ انتظامیہ کی طاقت اور اختیارات میں بھی روز افزوں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور اسے قابو میں رکھنا سیاستدانوں اور شہریوں کے بس سے باہر ہوتا جا رہا ہے۔

عام طور پر انتظامیہ کو چار قسم کی ذمہ داریاں سونپی جاتی ہیں:

- ۱۔ قاعدے اور قوانین کو کم از کم تصنیع الاوقات و تاخیر کے ساتھ نافذ العمل کرنا۔
- ۲۔ باشعور طریقے سے قانونی دائرے کے اندر رہ کر صوابدیدی اختیارات کا استعمال۔
- ۳۔ ضرورت کے مطابق نئی پالیسیاں مرتب کرنا اور موجود پالیسیوں میں رد و بدل کرنا۔
- ۴۔ سرکاری اداروں میں عوام کا اعتماد بڑھانا۔

پہلے زمرے میں آنے والے قوانین اور قواعد و ضوابط کا نفاذ بظاہر آسان نظر آتا ہے مگر حقیقتاً یہ ایک پیچیدہ امر ہے۔ انتظامیہ سے متعلقہ قوانین نیشنل اسمبلی میں عوام کے منتخب نمائندے علاقائی اور صوبائی مفادات کو مد نظر رکھتے ہوئے تشکیل دیتے ہیں۔ یہ اکثر سطحی مفاہمت کی بنا پر محض دفع الوقتی کی خاطر بنائے جاتے ہیں جو اکثر اوقات نہایت مبہم اور صوبوں کے متضاد مفادات چھپائے ہوئے ہوتے ہیں جو آگے چل کر نفاذ کے دوران سرکاری دفاتروں میں طرح طرح کی پیچیدگیاں اور تنازعات پیدا کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ عوام کے کونسے طبقے کو کونسی مراعات دی جائیں، کن لوگوں کو روزگار مہیا کیا جائے، گھروں اور پلاٹوں کی الاٹمنٹ کن بنیادوں پر ہو، حکومت کے ترقیاتی پراجیکٹ (جن پر کروڑوں روپے صرف کیے ہوتے ہیں) کن علاقوں میں شروع کیے جائیں، ٹھیکے کن کو دیے جائیں۔ سپلائی کون کرے یہ اور ایسے دوسرے معاملات اس ضمن میں آتے ہیں۔

دوسرے مرحلے میں انتظامیہ اپنے صوابدیدی اختیارات کا استعمال کرنے اور قوانین کی تشریح کرتے وقت مقررہ حدود سے تجاوز کر جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں عوام حکومت سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ آج کے دور میں ترقیاتی کاموں کی تکمیل کے لیے مختلف تنظیمیں کو صوابدیدی اختیارات کا منتقل کرنا نہایت ضروری سمجھا جاتا ہے۔ ان صوابدیدی اختیارات کا سو فیصد منصفانہ استعمال تو شاید ہی ممکن ہو۔ بہر حال صوابدیدی اختیارات میں روز افزوں اضافہ ہی بد عنوانی، رشوت ستانی اور کنبہ پروری جیسی خرابیوں کا باعث بنتا نظر آتا ہے۔ محاسبے کے عمل کو بھی پیچیدہ اور ناقابل عمل بنانے میں صوابدیدی اختیارات آڑے آ جاتے ہیں اور منتظمین اکثر اوقات اپنے دفاع میں یہ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا ان کے دائرہ عمل میں شامل تھا اور قانون نے انہیں اجازت دے رکھی تھی کہ وہ جس کو چاہیں مراعات دیں اور جس کو چاہیں انکار کر دیں۔

اگر غور کریں تو انتظامیہ کے اختیارات کی حد بندی اور ان میں توازن قائم رکھنا منتخب نمائندوں کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ کی علیحدہ علیحدہ حیثیت بھی انہیں اصولوں پر قائم کی گئی ہے تاکہ وہ ایک دوسرے پر کڑی نگاہ رکھ سکیں اور انتظامیہ اپنے اختیارات سے تجاوز نہ کرنے پائے۔

پاکستان کے دستور کے مطابق وزیر اعظم انتظامیہ کا سربراہ اعلیٰ یا چیف ایگزیکٹو ہوتا ہے اور پھر سربراہی کا یہ سلسلہ نیچے تک چلا جاتا ہے۔ ہر کوئی اپنے نگران کے سامنے جوابدہ ہوا کرتا ہے جو اسے کسی عہدے پر مامور بھی کرتا ہے اور برطرف کرنے کے اختیارات بھی رکھتا ہے۔ مختلف محکموں کے سربراہ اسی طریق کار کی پیروی کرتے ہیں۔ اختیارات کی اس تقسیم کی وجہ سے وزراء اور محکموں کے سربراہ (فیڈرل سیکرٹری) اکثر اسی تناؤ کا شکار بھی رہتے ہیں۔ سیاستدان عوام کا منتخب نمائندے ہونے کی حیثیت سے کلیدی عہدوں پر اپنی مرضی کے افسران کو تعینات کرنا اور نافرمانی کی صورت میں انہیں معطل یا برطرف کرنا اپنا قانونی استحقاق سمجھتے ہیں۔ لیکن انتظامیہ اسے مداخلت قرار دیتی ہے۔ انتظامیہ کی تاریخ سنیر بیورو کریٹس اور وزراء کے درمیان اس قسم کے تنازعات سے بھری پڑی ہے۔

آج کے دور میں انتظامیہ کا بنیادی مسئلہ بیوروکریسی کو قابو میں رکھنا ہے۔ انتظامیہ کے افسروں کا اختیارات کے استعمال میں جوابدہ ہونا ماضی میں بھی اتنا ہی اہم تھا جتنا اہم آج ہے۔ رفاہی مملکت ہونے کی وجہ سے زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جہاں انتظامیہ کا عمل دخل نہ ہو۔ اسی وجہ سے افسران کو اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے بغیر کسی کنٹرول یا نگہداشت کے ان گنت صوابدیدی اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں انتظامیہ کے فرائض اور اختیارات اس بات کی اہمیت کو مزید واضح کرتے ہیں کہ انتظامیہ کی کارکردگی پر



عدلیہ کے علاوہ بھی کسی ادارے کا مؤثر کنٹرول ہونا چاہیئے۔ وفاقی محتسب کے ادارے کی اہمیت اس وجہ سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ ڈکٹیٹر شپ کے دو ادوار کے دوران بیوروکریسی کو لا محدود صوابدیدی اختیارات دیے گئے۔ انتظامیہ ایک ایسے جنگل کا نمونہ پیش کرنے لگی جہاں قانون کی حکمرانی نہ تھی۔ رشوت ستانی، نااہلی اور کنبہ پروری کا دور دورہ تھا۔ ایک ہی جیسے امور انتظامیہ میں متضاد فیصلے دیے جاتے ہیں۔ عوام کی طرف سے انتظامی اداروں کے خلاف متعدد شکایات اس امر سے متعلق بھی ہیں کہ انتظامیہ کا عمل شفاف نہیں ہے۔ ہر بات کو عوام سے چھپایا جاتا ہے، افسر نہ تو قواعد و ضوابط کو احاطہ تحریر میں لانا چاہتے ہیں اور نہ ہی ان پر منصفانہ اور مساویانہ عمل درآمد کے قائل ہیں۔ اچانک ایک فیصلہ صادر کر دیا جاتا ہے۔ نہ تو ان فیصلوں کو چیلنج کیا جاسکتا ہے اور نہ وہ رہنما اصول بتائے جاتے ہیں جن کے تحت ادارے یہ فیصلے صادر کرتے ہیں۔ ان حالات میں وفاقی محتسب کے ادارے کا قیام عمل میں لانا ایک اچھا فیصلہ تھا، مگر اس ادارے میں بھی سیاست نے اپنے قدم جما لیے ہیں اور اس ادارے کو بس اسی ہی مقاصد کے لئے استعمال کیا جانے لگا ہے۔ سیاستدان ایک دوسرے کو زیر کرنے کے لیے احتساب کے وعدے کرتے رہتے ہیں مگر حقیقی معنوں میں قومی مفاد کے پیش نظر اس ادارے کو جس طرح اپنا کردار ادا کرنا چاہیے تھا ویسا نہیں کر سکا۔

### حواشی و حوالہ جات:

<sup>1</sup> مقبول ارشد، پاکستان کے ارب پتی خاندان، فیکٹ سیلیکشنز لاہور، ص ۲۵۸-۲۵۷۔

<sup>2</sup> التناہین، ۱۶۔

<sup>3</sup> الانعام، ۱۱۵۔

<sup>4</sup> امام ترمذی، سنن ترمذی، ابواب السفر، باب ما ذکر فی فضل الصلاة، حدیث نمبر ۶۱۴۔

<sup>5</sup> امام بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب قول اللہ تعالیٰ یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین (وما یخفی عن الکذب، حدیث نمبر ۶۰۹۴۔

<sup>6</sup> الشعراء، ۲۲۱-۲۲۲۔

<sup>7</sup> العلق، ۱۵-۱۶۔

<sup>8</sup> النساء، ۵۸۔

<sup>9</sup> امام احمد بن حنبل، مسند احمد، حدیث نمبر ۱۸۶۶۔

<sup>10</sup> امام احمد بن حنبل، مسند احمد، حدیث نمبر ۱۸۰۱۵۔

<sup>11</sup> ابن کثیر ابوالفداء اسماعیل الدمشقی، البدایۃ والنہایۃ، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان ۱۹۸۸ء، ج ۶، ص ۳۳۔

<sup>12</sup> ایم پی جین، ایس این جین، انتظامی قانون کے اصول، مترجم احمد مرزا، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ص ۵۳۹۔

<sup>13</sup> Administrative Law, p 62, I.P. Massey

<sup>14</sup> علی طنطاوی، اخبار عمر، دار الفکر دمشق، ص ۲۰۳-۲۰۴، طنطاوی، عمر بن خطاب مترجم عبدالصمد صارم مطبوعہ البیان لاہور ۱۹۷۱ء، ص ۴۳۔

<sup>15</sup> بیگل، محمد حسین، عمر فاروق اعظم، مترجم حبیب اشعر، مکتبہ جدید لاہور ۱۹۶۰ء، ج ۲، ص ۱۵۹۔

<sup>16</sup> امام طبری، تاریخ طبری، ج ۱، ص ۶۴۔

<sup>17</sup> امام طبری، تاریخ طبری، ج ۳، ص ۵۰۲۔

<sup>18</sup> امام بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الے مان والندور، باب کیف کانت یمین النبی ﷺ، حدیث نمبر ۶۲۳۶، امام بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الحکام، باب

ہدایا العمال، حدیث نمبر ۷۱۷۷۔

- <sup>19</sup> عبد المالک مجاہد، سنہری فیصلے، دارالسلام پبلشرز کراچی، ص ۱۴۰۔
- <sup>20</sup> ایضاً، ص ۱۴۱۔
- <sup>21</sup> امام سرخسی، المبسوط، مطبوعہ مصر ۱۳۳۱ھ، ج ۱۰، ص ۱۳۵۔
- <sup>22</sup> ابن عساکر، تہذیب تاریخ، دمشق ۱۳۲۹، ج ۶، ص ۳۰۲۔
- <sup>23</sup> ایم پی جین، انتظامی قانون کے اصول، ۳۱۲۔
- <sup>24</sup> علی متقی، کنز العمال، ج ۵، ص ۳۴۹۔
- <sup>25</sup> شبلی نعمانی، الفاروق، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۷۰، ص ۱۱۵۔
- <sup>26</sup> امام سرخسی، المبسوط، ج ۱۰، ص ۱۳۵۔
- <sup>27</sup> امام بخاری، صحیح بخاری، کتاب العتق، باب کراہیۃ التناول علی الرقیق وقولہ عبدی ادا متی، حدیث نمبر ۲۵۵۴۔
- <sup>28</sup> امام بخاری، صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب قول اللہ تعالیٰ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول، ج ۸، ص ۳۷۳، حدیث نمبر ۷۱۳۸۔